سائرہ بتول/ ڈاکٹر روبینہ شہناز
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد
صدر شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

شعریاتِ انشائیہ: چند بنیادی مباحث

Saira Batul
PhD Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad.
Dr Rubina Shehnaz
Head, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

Fundamentals of Poetics of Inshaya

"Inshaya" is a modern literary term which was used by Urdu critique writers after the mid of 20th century. Although as a literary genre, Inshaya has its roots away back in Sir Syed Ahmed Khan's movement. In this article, the researcher has tried to frame a technical meaning which can throw light on the poetics of Inshaya. In the end, some points have been listed derived from different critique writers to determine a commonly accepted definition of Inshaya.

کسی بھی صنف ادب کی تعریف متعین کرنا ایک مشکل عمل ہے، لیکن اگر تعریف کے تعین میں لغات کی طرف رجوع کیا جائے تو لغوی معانی میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ فرہنگ آصفیہ، فیروز اللغات، لغات فیروزی، جامع اللغات اور دیگر لغات کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انشائیہ کا لفظ ''انشاء'' سے نکلا ہے اور اس عربی الاصل لفظ کے معنی عبارت، تحریر، دل سے بات پیدا کرنا، علم معانی و بیان، صنائع بدائع، خوبی عبارت، طرز تحریر اور وہ جملہ جس میں سچ اور جھوٹ کا گمان نہ ہو، سامنے آتے ہیں۔ انشائیے کے ان لغوی معانی کو بیان کر دینے سے مدعا واضح نہیں ہوتا۔ سید محمد حسنین کے بموجب انشا کا مادہ 'نشا' (نش ء ا) ہے جس کے لغوی معنی پیدا کرنا ہے یعنی انشا کی علت غایت 'زائیدگی یا آفریدگی' ہے۔ انشائیہ کے اصطلاحی معانی مختلف نقادوں نے اپنے اپنے انداز میں بیان کئے ہیں۔ چند معروف نقادوں کی آراء اس ضمن میں حسب ذیل ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی لفظ انشاء کی اصل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انشاء کا لفظ عربی زبان سے اپنی اصطلاحی حیثیت کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ انشاء کا لفظ ابتداء میں ایک

دفتری اصطلاح تھا۔اس کا اطلاق سرکاری فرامین اور مکتوبات کے رف ڈرافٹ پر ہوتا تھا اور صاف شدہ مسودے کو تحریر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔اس نے دیوان اور انشاء کا نام پایا۔رفتہ رفتہ فرامین اور مکتوبات کی تحریر و ترتیب کے لئے انشا کا لفظ مستعمل ہو گیا' یہی نثر احکام و فرامین و مکتوبات کی زبان قرار پائی۔اس نثر میں خطابت کا عنصر جزو اعظم تھا۔اس سے انشاء پردازی کی وہ خاص نہج وجود میں آ گئی جس کو ہم انشائیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔(۱)

اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے یوں ہے:

بیدار ذہن کی حامل تخلیقی شخصیت کی زندگی کے تنوع سے زندہ دلچسپی کے بامزہ نثر میں مختصر اور لطیف اظہار کو انشائیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔(۲)

یہ درست ہے کہ اردو میں انشائیہ کا لفظ انگریزی لفظ ESSAY کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ESSAY دراصل فرانسیسی لفظ ASSAI کے متبادل کے طور پر رائج ہوا۔کتنی دلچسپ بات ہے کہ انشا کا لفظ بھی عربی النسل ہے اور ASSAI بھی عربی لفظ اسعی کی فرانسیسی شکل ہے۔اگرچہ عام خیال یہ ہے کہ ASSAI کا لفظ کوشش کرنے کے معنوں میں یونانی زبان سے فرانسیسی میں منتقل ہوا لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔تاریخی حقائق کا جائزہ لیا جائے تو اندلس اور جنوبی فرانس پر اہل عرب کی زبان و ثقافت کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی میں لاطینی الفاظ سے بھی زیادہ عربی الفاظ و تراکیب کا استعمال پایا جاتا ہے۔لہٰذا ASSAI عربی لفظ اسعی ہی کا فرانسیسی املا ہے۔اسعی کا مادہ سعی ہے یعنی کوشش۔اب اگر اردو میں انشائیہ ESSAY کے مترادف کے طور پر مستعمل ہے تو معنی کی قربت کے ساتھ ساتھ تخلیقی کوشش کے حوالے سے بھی اس لفظ کا استعمال زیادہ بامعنی ہو جاتا ہے۔سید محمد حسنین نے جب انشائیے کے لفظ کو زائیدگی یا آفریدگی کے ساتھ جوڑا تھا تو غالباً مشکور حسین یاد کے ذہن میں یہی معنی ٹھہر گئے تھے۔چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

میں انشائیہ کو ادب کی ام الاصناف کہا کرتا ہوں۔انشائیہ ادب کا ایک فکری اظہار ہے اس لیے ہر ادیب اس کا موجد ہوتا ہے۔دنیا کی ہر زبان میں جب اس کے ادب کا آغاز ہوا تو انشائیہ وجود میں آیا۔(۳)

مندرجہ بالا تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انشائیہ کا موضوع کچھ بھی ہو سکتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ دنیا کی کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے اس کے لیے کوئی پابندی نہیں۔انشائیہ کا لفظ وزیر آغا کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے شبلی نے استعمال کیا۔انشائیہ کے لغوی معنی سچ اور جھوٹ کا احتمال جس بات میں نہ ہو اس میں ذاتی تاثرات ہوں تحقیقی و استدلالی انداز نہ ہو اور اسلوب میں شگفتگی ہو۔مگر اسے مکمل طور پر انشائیے کی تعریف نہیں کہا جا سکتا۔اس پہلو سے دیکھا جائے تو انشائیے میں تین چیزیں بنیادی طور پر موجود ہونی چاہئیں۔یعنی اسلوب کی تازگی ایسی ہو جس سے قاری لطف اندوز ہو اور موضوع بھی دلچسپ ہو۔جہاں تک خیالات کا تعلق ہے خیالات نئے ہونے چاہئیں یا کم از کم ان کا انداز نیا ہونا چاہیے۔ڈاکٹر وزیر آغا کے مطابق:

تازگی سے مراد موضوع اور نقطہ نظر کا وہ انوکھا پن بھی ہے جو ناظر کو زندگی کی یکسانیت اور ٹھہراؤ سے اوپر اٹھا کر ماحول کا از سرِ نو جائزہ لینے پر مائل کرتا ہے یا مال خیالات' کلیشے کو بیان نہ کیا جائے بلکہ جو کچھ نظر آ رہا ہے اس سے الٹ بیان کیا جائے معمولی کو غیر معمولی اور غیر معمولی کو معمولی بنا کر دکھانا چاہیے۔(۴)

وزیر آغا کی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انشائیے کا لفظ ایک دم بطور اصطلاح رائج نہیں ہو گیا۔ ایک لفظ کو لغت کے دائرے سے باہر نکلنے اور ادبی قبولیت حاصل کرنے میں کافی وقت لگتا ہے۔ جب کوئی لفظ کسی خاص زاویہ نظر، طریقہ کار اور منضبط کارروائی کے طور پر وسیع معنوں میں اصطلاح کا درجہ اختیار کرتا ہے تو اس کے پیچھے تاریخی و جدلیاتی شعور کارفرما ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے بھی کچھ یہی واضح کرتی ہے:

> لفظ جب اپنے لغوی معنی کے گہوارہ سے نکلتا ہے تو مخصوص معانی کی حامل ایک اصطلاح بننے تک کئی مدارج طے کرتا ہے یعنی وہی قطرہ کے گہر بننے والی بات۔ اسی لیے تو بعض اوقات اصطلاح لفظ کی اصل سے میلوں کے فاصلے پر نظر آتی ہے، لیکن انشاء نے جب انشائیہ کا لبادہ زیب تن کیا تو وہ لغوی معنی کی حدود سے باہر نہ نکلا۔ یعنی کچھ بات دل سے پیدا کرنا اور خوبی عبارت۔ یوں دیکھیں تو تمام تکنیکی اور فنی مباحث کے باوجود بھی انشائیہ اپنی اساس یعنی انشا کی حدود کو توڑتا نہیں۔ توڑنا تو کجا وہ تو مزید فن کاری اور جمالیاتی اوصاف سے انشا کے سونے پر سہاگہ کرتا ہے۔ (۵)

یہاں ڈاکٹر سلیم اختر کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ انشا نے جب انشائیہ کا لبادہ زیب تن کیا تو وہ لغوی حدود سے باہر نہ نکلا۔ کہاں وہ عبارت، تحریر یا وہ کتاب جس میں خط و کتابت سکھانے کے واسطے ہر قسم کے خطوط جمع ہوں، لیٹر بک یا چٹھیوں کی کتاب پر اس لفظ کا اطلاق اور کہاں ایک صنف ادب کے لئے انشائیہ کا عنوان۔ ظاہر ہے اس لفظ کو یہاں تک سفر کرنے میں کافی مراحل طے کرنے پڑے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے ہاں دراصل انشائیے کی صنف سے ایک تعصب کا تاثر ملتا ہے۔ وہ چونکہ اس صنف کو نومولود نہیں مانتے اس لئے اس لفظ کے ڈانڈے بہت دور تک لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> ہم میں سے ہر ایک شخص ایک مرکز سے بندھا ہوا ہے۔ انشائیہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب آپ اس ''مرکز'' سے خود کو منقطع کر کے اپنے لیے ایک اور ''مرکز'' دریافت کر لیتے ہیں اور آپ کو اپنا ماحول بالکل نئے روپ میں نظر آنے لگتا ہے۔ (۶)

وزیر آغا کی اس تعریف سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کے وہ مرکز یا مدار سے علیحدگی پر بہت زور دیتے ہیں اور بلاشبہ یہی وہ عمل ہے جو نئے مفاہیم کو دریافت کرتا ہے وہ انشائیہ کو اسی لیے ایک الگ صنف مانتے ہیں اسے نہ تو وہ طنز و مزاح کی چیز کہتے ہیں اور نہ ہی سنجیدہ خشک اور فلسفیانہ خیالات پیش کرنے کا ذریعہ مانتے ہیں کیونکہ درحقیقت وہ خود بھی انشائیہ میں طنز مزاح اور بہت زیادہ سنجیدہ فلسفیانہ خشک قسم کے خیالات پیش کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور اس سے منع بھی کرتے ہیں اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں:

> انشائیہ ہنسنے ہنسانے کے عمل یا پند و نصائح کے کاروبار سے آگے کی چیز ہے جو انسانی فکر و عمل کو ایک نئے زاویے سے دیکھتی اور یوں ہمیں آگاہی کے ارفع مدارج تک لے جانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ (۷)

اسی طرح ڈاکٹر انور سدید کی رائے ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے کا تتمہ نظر آتی ہے۔ وہ اس لفظ کو ایک مخصوص حدود تک ہی متعین کرنے کے متمنی ہیں۔

> انشائیہ اردو ادب کی نسبتاً نوخیز صنف اظہار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس صنف کے کچھ ابتدائی نقوش

بکھری ہوئی حالت میں قدیم اردو نثر میں بھی مل جاتے ہیں اور یہ نقوش مصنفین کی سنجیدہ پیش قدمی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ عہد سرسید سے پہلے کی نثری تحریروں میں انشائیہ کے جو نقوش ملتے ہیں وہ اتفاقی، غیر شعوری اور مصنفین کی انشاء پردازی کی ابتدائی مثالیں ہیں۔(۸)

ڈاکٹر انور سدید کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن انشائیہ کے لفظ کو محدود کرنا درست نہیں۔ انشائیہ کے، بطور صنف کی بجائے اگر بطور لفظ کے معنی متعین کر لئے جائیں تو اس صنفِ اظہار کے معنی بھی سمجھ میں آ جائیں گے۔ جس طرح عربی، انگریزی، فرانسیسی اور اردو جیسی بڑی زبانوں کی لغات میں انشائیہ کے معنی مختلف ہیں اسی طرح انشائیہ کی بطور صنف بھی کوئی جامع و مانع تعریف کرنا ممکن نہیں۔ پروفیسر جمیل آذر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جس طرح دیگر اصناف ادب میں سے کسی ایک کی بھی جامع و مانع تعریف نہیں ہو سکتی اسی طرح انشائیہ کی بھی قطعی تعریف مشکل ہے۔ تاہم جس طرح ہم دیگر اصناف ادب کو دیکھتے ہی پہچان جاتے ہیں اسی طرح انشائیہ کو شناخت کرنے میں بھی ہمیں کسی دقت کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔ ہم انشائیہ کی وسیع تعریف اس طرح کر سکتے ہیں کہ یہ ایک نثر پارہ ہے جو اپنی طوالت کے اعتبار سے آدھ صفحے سے لے کر بیس یا زیادہ سے زیادہ پچیس صفات پر پھیلا ہوتا ہے کیونکہ زیادہ طوالت اس لطیف صنف پر اس طرح گراں گزرتی ہے جس طرح غزل میں ضرورت سے زیادہ اشعار۔ زندگی کے کسی بھی گوشے کو بطور موضوع پیش کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ انشائیہ نگار نے اسے اپنی ذات کی گہرائیوں میں ڈوب کر محسوس کیا ہو۔(۹)

وزیر آغا انشائیہ نگاری کے سلسلے میں جس بات کی شدید مخالفت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ انشائیہ نگار اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ مدلل اور استدلالی انداز کیوں اپنائے کیونکہ دراصل انشائیہ نگار کا کام تو یہ ہے کہ وہ سیدھے سادے انداز میں اپنے تاثرات اور محسوسات کو بیان کرتا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ استدلالی انداز انشائیہ کی اصل کے ہی خلاف ہے۔ انشائیہ نگار کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی بات منوانے کے لیے نہ تو زیادہ کوشش کرے اور نہ ہی زور دے کیونکہ اُن کے خیال میں:

> دراصل انشائیہ کے خالق کے پیش نظر کوئی ایسا مقصد نہیں ہوتا جس کی تکمیل کے لیے وہ دلائل و براہین سے کام لے اور ناظر کے ذہن میں رد و قبول کے میلانات دینے کی سعی کرے۔ اس کا کام محض یہ ہے کہ چند لمحوں کے لیے زندگی کی سنجیدگی اور گہما گہمی سے قطع نظر کر کے ایک غیر رسمی طریق کار اختیار کرے اور اپنے شخصی ردِ عمل کے اظہار سے ناظر کو اپنے حلقہ احباب میں شامل کر لے۔(۱۰)

اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ انشائیہ میں ہر چیز کا شخصی زاویے سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات بیان کرتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہر چیز کے بارے میں پہلے سے موجود تاثرات یا مطلب کو بدل کر پیش کرے اس سے نہ صرف وہ اپنے شعور کو بڑھاتا ہے بلکہ قاری کو بھی اس سے لطف حاصل ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اپنے خیالات بدلتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ اس حوالے سے رفیع الدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

انشائیے کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ناول' افسانہ یا مضمون کے برعکس انشائیے کا انداز غیر رسمی ہوتا ہے۔اس میں روایتی ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاتا۔انشائیے کو اگر کسی خاص ترتیب کا پابند بنانے کی کوشش کی جائے تو اس کی انفرادیت مجروح ہوگی انشائیہ نگار افتادِ طبع یا اندازِ تحریر کے مطابق انشائیے کو کہیں سے شروع کر کے کہیں بھی ختم کر سکتا ہے۔(۱۱)

اس تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انشائیہ نگار اپنے موضوع کے انوکھے پہلوؤں کو پیش کرتا ہے۔موضوع بھی ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انشائیہ میں اختصار ہوتا ہے اور وہ کسی بھی چیز کو موضوع بنا سکتا ہے۔انشائیے میں انشائیہ نگار کی اندرونی شخصیت جھلکتی ہے۔یعنی اندرونی تاثرات کا بیان ہوتا ہے اور باہر کے خیالات کم ہوتے ہیں مگر اندرونی زاویہ نظر سے اصلاح کے لیے انشائیہ نہیں لکھا جاتا اس کی کوئی خاص ہیت نہیں بلکہ مخصوص مزاج ہے جس سے اس کی پہچان ہو جاتی ہے۔

جمیل آذر بھی ڈاکٹر انور سدید کی طرح انشائیہ کی حدود و قیود کا تعین کرتے ہوئے اس کے معنی اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔سب سے پہلے علی اکبر قاصد کے مجموعے 'ترنگ' کے دیباچہ نگار اختر اورینوی نے انشائیہ کا لفظ بطور صنف استعمال کیا۔تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس کو رواج دینے میں ڈاکٹر وزیر آغا اور ان کے ساتھیوں نے کافی فعال کردار ادا کیا۔ڈاکٹر بشیر سیفی انشائیہ کی تعریف یوں متعین کرتے ہیں:

> میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ انشائیہ بنیادی طور پر 'ایسے' ہی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریزی ادب میں 'ایسے' کی اصطلاح بے حد وسعت کی حامل رہی ہے اور اس کے تحت خالص ایسے (انشائیہ) کے علاوہ ہر قسم کے سنجیدہ' طنزیہ' تنقیدی' اصلاحی اور فلسفیانہ مضامین لکھے جاتے رہے ہیں۔یہی وجہ ہے انگریزی ایسیز کے انتخابی مجموعوں میں ہر قسم کے مضامین نظر آجاتے ہیں۔(۱۲)

مذکورہ بالا بیانات سے ESSAY 'انشا' انشائیہ جیسے الفاظ کا احاطہ کرتے ہوئے اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ نثر کی خاص صنف ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔اردو میں جدید انشائیہ کے نام سے جو صنف رائج ہے وہ در اصل فرانسیسی' انگریزی انشائیے کی روایت سے مربوط ہے۔اگر لفظی بازی گری سے ہٹ کر انشائیے کی تعریف کی جائے تو حقیقت کے قریب وہی ہو سکتی ہے جو ایک تخلیق کار تخلیق کے لمحوں میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔خلا میں اس صنف کے معنی متعین کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ ان تخلیق کاروں سے رجوع کیا جائے جنھوں نے واردات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے بطور تخلیق محسوسات کو زبان دی ہے۔ایک انشائیہ جب صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتا ہے تو وہ مضمون، فکاہیہ، نثر پارہ، مزاح پارہ، طنزیہ وغیرہ سے کتنا مختلف ہوتا ہے، انشائیہ نگار ہی بتا سکتا ہے۔راقمہ نے اردو کے معروف انشائیہ نگاروں کو ایک سوال نامہ بھیجا جس میں مختلف نوعیت کے سوال تھے۔ان کے جوابات کچھ یوں سامنے آئے۔

ڈاکٹر وزیر آغا:

> ''جب ادب تخلیق کرنیوالے اردگرد کی اشیاء اور مظاہر کو اُلٹنے پلٹنے لگتے ہیں' ان پر سے صدیوں کے جمے ہوئے زنگ کو اتارتے ہیں اور ان کے اندر چھپے ہوئے مفاہیم کو سطح پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔انشائیہ اسی

اُلٹ پلٹ کا بہترین ذریعہ ہے کہ ہر شے کے ''دوسرے رُخ'' کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور مسلمات کے سحر سے لحظ بھر کے لیے باہر آنے میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کی زد Range بھی بہت وسیع ہے کہ یہ سامنے کی بظاہر معمولی اور گری پڑی چیزوں مثلاً دیوار، کُرسی، تولیہ، گھوڑا، نیم پلیٹ اور الگنی'' وغیرہ سے لے کر لطیف ترین کیفیات، تعقلات اور واردات تک کو اُلٹنے پلٹنے پر قادر ہے تا کہ عادت اور تکرار کی فضا سے نجات ملے اور ارد گرد کا ماحول ایک بار پھر دھڑکتا اور سانس لیتا ہوا محسوس ہو۔ گویا انشائیہ بنے بنائے فکری پیمانوں کو قبول کرنے کے بجائے شخصی سطح کی نکتہ آفرینی کے عمل کو اُجالتا ہے۔ (۱۳)

مشکور حسین یاد:

انشائیہ کی تعریف اسی طرح مشکل ہے جس طرح دوسری اصناف ادب کی تعریف مشکل ہے اور بقول آسکر وائلڈ ایک طرح تو تعریف کرنا ہی نہیں چاہیے کیونکہ To Define is to limit، تعریف کرنا محدود کرنے کے مترادف ہے۔ بہر حال انشائیہ وہ صنف ادب ہے جس میں ایک لکھنے والا بڑی آزادی کے ساتھ اپنے کسی بھی خیال کسی بھی تجربے، کسی بھی احساس کو ضبطِ تحریر میں لاسکتا ہے۔ بس اس ضمن میں ایک واحد شرط یہ ہے کہ لکھنے والا اپنے جس جذبے، جس خیال، جس احساس اور جس تجربے کے بارے میں لکھ رہا ہے، وہ انوکھا ہو۔ (۱۴)

جمیل آذر:

ہم انشائیہ کی وسیع تعریف اس طرح کر سکتے ہیں کہ یہ ایک نثر پارہ ہے جو اپنی طوالت کے اعتبار سے آدھ صفحہ سے لے کر بیس یا زیادہ سے زیادہ پچیس صفحات پر پھیلا ہوتا ہے۔ کیونکہ زیادہ طوالت اس لطیف صنف پر اسی طرح گراں گزرتی ہے جس طرح غزل میں ضرورت سے زیادہ اشعار۔ زندگی کے کسی بھی گوشے کو بطور موضوع پیش کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انشائیہ نگار نے اسے اپنی ذات کی گہرائیوں میں ڈوب کر محسوس کیا ہو۔ انشائیہ میں موضوعیت (Subjectivity) ایسے ہی ضروری ہے جیسے شعر میں وزن اور آہنگ۔ یہیں سے انشائیہ میں مصنف کی اپنی ذات شامل ہوتی ہے اور وہ ایک ایسی زقند بھرتا ہے جس کی نوعیت معروضی ہوتی ہے۔ یہ معروضی کیفیت اس کی سوچ بچار کی مرہونِ منت ہوتی ہے جسے بیکن ''دھیان'' Meditation کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ وہ جس شے کو چھوتا ہے اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ وہ اپنی معروضی اڑان (Objective Flight) کے بعد پھر اپنی ذات میں اسی طرح واپس آتا ہے جس طرح پرندہ پرواز کے بعد اپنے آشیانہ میں۔ گویا انشائیہ میں شخصی اور غیر شخصی پہلوؤں کی آویزش (Criss-Cross) ہی نہیں بلکہ انضمام (Blending) بھی ہوتا ہے۔ تاہم اس میں فلسفیانہ غور و فکر کا بوجھل پن نہیں ہونا چاہیے۔ (۱۵)

اکبر حمیدی:

انشائیہ میں موضوع کے پرت نہیں کھولے جاتے بلکہ موضوع کی نئی جہتوں کی سیر کروائی جاتی ہے کسی موضوع کے محض چند پہلو بیان کر دینا تخلیق کار کے انٹیلیکٹ کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ انشائیہ نگار تو پہاڑ کی دوسری سمت بھی

ہمیں دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ بلکہ پہاڑ کے اس حصے کی سیر بھی کرواتا ہے جو زمین کے پاتال میں ہے اور ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ انشائیہ نگار دراصل اس موجود کو وجود میں لاتا ہے جو اس کے انٹلیکٹ کا حصہ ہے اور دوسرے اس سے آگاہ نہیں ہیں۔ انشائیہ نگار اس موجود کی تلاش میں اپنی ذات کی گہرائیوں میں بھی غوطہ لگاتا ہے اور پہاڑ کی دوسری جانب بھی اترتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے انٹلیکٹ میں پوری طرح متحرک دکھائی دیتا ہے۔(۱۶)

ڈاکٹر شمیم ترمذی:

انشائیہ اس اسلوب میں لکھا جائے کہ لفظ خود بولیں، انھیں سمجھنے کے لیے لغت یا کسی پڑھے لکھے کی مدد درکار نہ ہو۔ بے ترتیب تحریر اور نام نہاد ''آزاد ترنگ'' کے نام پر لکھی گئی سطریں ممکن ہے، کسی صنفِ نثر کے ذیل میں آتی ہوں لیکن یہ بہرطور انشائیہ نہیں ہوسکتیں۔ خشکی سے دامن بچاتے ہوئے مرتب تحریر کے خالق کو انشائیہ نگار کہا جاتا ہے اور شگفتگی کے لمس سے آشنا، خیال افروز نثر پارے کو انشائیہ سمجھنا چاہیے۔ انشائیہ خالصتاً علمی صنف ہے اور اچھا انشائیہ تخلیق کرنے کے لیے انشائیہ نگار کا پڑھا لکھا ہونا بے حد ضروری ہے۔(۱۷)

ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش:

ہر صنف ادب کے اپنے کچھ مخصوص اوصاف اور عناصرِ ترکیبی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ دیگر اصنافِ نظم ونثر کے مختلف قرار دی جاتی ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نکتہ آفرینی، انکشاف ذات، عمیق مشاہدہ، کفایتِ لفظی اور منفرد زاویہء نگاہ جیسے عناصر کے باعث انشائیہ ایک عام مزاحیہ نثر یا انشائے لطیف سے مختلف ہوتا ہے۔۱۸

ان آراء کے مطالعہ سے انشائیہ کی تعریف کے تعین میں کوئی دقت نظر نہیں آتی تاہم انفرادی اختلاف ہر جگہ موجود ہوتا ہے، کوئی کسی سے اتفاق کرتا ہے تو کوئی اختلاف۔ بادی النظر میں یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ انشائیہ ایک مضبوط اور خوب صورت صنف تحریر ہے جس نے جہاں اپنے وجود پر ناقدین کے ادبی دشنہ کو نہایت حوصلے سے برداشت کیا، وہاں اپنے چاہنے والوں کو بھی تجربات کی کٹھالی سے گزرنے کی اجازت بہت دل کھول کر دی۔

اردو ادب میں انشائیہ کے ورود پر جتنا اختلاف ہوا شاید ہی کسی اور صنف کے داخلے پر ہوا ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو شائد انشائیہ اتنی مضبوطی سے اردو ادب میں اپنا مقام نہ بنا سکتا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کا خیال ہے کہ انشائیہ نویسی کی روش اس وقت وجود میں آتی ہے، جب زبان ارتقاء کے بعض مراحل طے کر لیتی ہے جبکہ ڈاکٹر رشید امجد کی نظر میں جب کوئی بھی فن پارہ تکنیکی ہنر مندیوں سے جدا ہو کر سوچ اور فکر اس طرح روشن کرے کہ پڑھنے والا ایک روحانی خوشی سے ہمکنار ہو جائے تو وہ انشائیہ ہے۔ یوں انشائیے کی تعریف پر پہنچنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے، ایسی ہلکی پھلکی اور شگفتہ تحریر جس میں علمیت اور فلسفیانہ نکتہ آفرینی کی بجائے سوچ اور فکر موجود ہو، نئے مفاہیم، نئی جہات، اور نئی وسعتوں کے ساتھ، انکشاف ذات، عمیق مشاہدہ اور کفایت لفظی کے عناصر سے معمور ہو، انشائیہ کہلاتی ہے۔

انشائیہ کو دوسری اصناف ادب سے جو خصوصیت ممیّز کرتی ہے وہ اس کا غیر رسمی طریق کار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انشائیہ نگار کے پس تحریر کوئی ایسا مقصد نہیں ہونا چاہیے جس کی تکمیل کے لیے وہ منطقی اور مدلل طرز طریق کو فروغ دے رہا ہو۔ اس کا کام

بقول ڈاکٹر وزیر آغا محض یہ ہے کہ چند لمحوں کے لیے زندگی کی سنجیدگی اور گہما گہمی سے قطع نظر کر کے ایک غیر رسمی طریق کار اختیار کرے اور اپنے شخصی ردِّعمل کے اظہار سے ناظر کو اپنے حلقہ احباب میں شامل کرے۔ دوسرے لفظوں میں تنقید یا تفسیر کا خالق اس افسر کی طرح ہے جو چست اور تنگ لباس زیب تن کیے دفتری قواعد وضوابط کے تحت اپنی کرسی پر بیٹھا، احتساب اور تجزیے کے تمام مراحل سے گزرتا ہے اور انشائیہ کا خالق اس شخص کی طرح ہے جو دفتر سے چھٹی کے بعد اپنے گھر پہنچتا ہے۔ چست اور تنگ سا لباس اتار کر ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن لیتا ہے اور ایک آرام دہ موڑھے پر نیم دراز ہو کر اور حُقّے کی نے ہاتھ میں لیے انتہائی بشاشت اور مسرت سے اپنے احباب سے مصروف گفتگو ہو جاتا ہے۔ اس بات کی وضاحت درج ذیل تین انشائیوں کے اقتباسات سے ہوتی ہے۔ جاوید صدیقی کے انشائیہ ''بے ترتیبی'' سے اقتباس:

> لوگ کہتے ہیں کہ بے ترتیبی اجڈ پن ہے، جہالت ہے، بدتہذیبی ہے، مگر بے چارے لوگ کیا جانیں بے ترتیبی کی عظمتوں، کو انھوں نے کب غور کیا ہے کہ کائنات اور زندگی کی جمالیاتی اساس ہی بے ترتیبی ہے، بلند پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوا دور افق پر نگاہیں جماتا ہوں تو کتنا دلکش منظر دکھائی دیتا ہے۔ اونچی نیچی پہاڑیوں کا دھند میں لپٹا ہوا سلسلہ جن پر کہ بلند بلند درخت بھی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں پانی کے جمع ہو جانے سے چھوٹے بڑے تالاب، کہیں میدان، کہیں ٹیلے۔ غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ قدرت کی رنگینی اور حسن کا راز اس کے مناظر کی بے ترتیبی میں ہے۔(۱۹)

جمیل آذر کے انشائیہ ''شاخِ زیتون'' سے ایک اقتباس دیکھیں:

> میں جب علی الصبح دھند لکے کی چادر اوڑھ کر زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوتا ہوں تو اس وقت بے معنویت کی دنیا سے نکل کر معنویت کی فضا میں داخل ہو جاتا ہوں۔ بے کیف اور اکتا دینے والے ماحول سے نکل کر طورِ سینا کی پر کیف وادی میں سبک خرامی کرتا ہوں۔ تفکر اور اضطراب کے بستر سے اٹھ کر سبز جھیل کے پانیوں میں غسل کرتا ہوں۔ ''نہ ہونے'' کی کیفیت سے نجات پا کر ہونے کی حالت میں پہنچ جاتا ہوں۔ سبز اور روپہلی دنیا میں پہنچ کر اپنے تمام شعور و آگہی کو کائنات کے لامتناہی شعور کے ساتھ ہم آہنگ پاتا ہوں۔(۲۰)

وزیر آغا کے انشائیہ ''لاہور'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> تاحال میں خود کو دیدۂ عبرت نگاہ کا ہدف بننے پر مائل نہیں کر سکا۔ حالانکہ میں جب سے اپنا گاؤں چھوڑ کر شہر لاہور میں قیام پذیر ہوا ہوں، عبرت حاصل کرنے والوں نے مجھے بار بار تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل مجھے دیدۂ عبرت نگاہ کی عدالت میں کھڑا ہونے کی نہ آرزو ہے اور نہ فرصت، میں تو اپنی ہی ذات کے روبرو کھڑا ہونے اور خود سے ہم کلام ہونے کی کوشش میں ہوں۔(۲۱)

ان اقتباسات سے مترشح ہوتا ہے کہ انشائیہ نگار اپنے انشائیے میں بالکل ذاتی افکار و جذبات کا اظہار کرتا ہے، اس لیے گویا اپنی ذات کو بڑھا دیتا ہے۔ انشائیہ نگار نئے عہد کی نئی زندگی کے نئے نئے رُخ جتنی خوب صورتی سے بیان کرے گا، وہ اتنا ہی کامیاب انشائیہ نگار ہوگا۔ انشائیہ کے ضمن میں ایک چیز پر تقریباً تمام ناقدین و محققین کا اتفاق ہے کہ انشائیہ دنیا کے ہر

موضوع پر لکھا جا سکتا ہے اور کوئی بھی شے اس کی حدودِ سلطنت سے باہر نہیں ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے علی الرغم ایک گروہ جدید انشائیہ کو سنجیدہ و مزاحیہ مضامین سے ہم آمیز کرتا رہا ہے لیکن متوازن رائے رکھنے والے اس کی ترقی سے ہرگز خوفزدہ نہیں۔ وہ اسے کوئی نئی صنف نثر نہ مانیں تاہم اسکے واضح خدوخال کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر وحید عشرت کہتے ہیں:

> انشائیے کی بنیادی ہیئت کے بارے میں اگرچہ بہت اختلاف ہیں تاہم انشائیے کا بنیادی جوہر انشائیہ پردازی سے نمو پاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انشائیہ کی بنیادی ہیئت مضمون کی ہے اور یہ محض زبان کے بہتر سے بہتر استعمال سے وجود پذیر ہوا ہے۔ اس کی صدری ہیئت مضمون نویسی یعنی انگریزی کے ESAY WRITING کی ہے اور اس کی فکری ہیئت نیم فلسفیانہ ہے۔ انشائیہ میں خیال آرائی بنیادی جوہر کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک خیال کے بطن سے دوسرا خیال پھوٹتا ہے اور یوں انشائیہ متنوع خیالات سے مرصع ہوتا ہے۔ انشائیہ کا تخلیقی عنصر تخلیق کار کے وجودی اور وہبی تجربے اور مشاہدے سے وابستہ ہوتا ہے۔ جتنا گہرا یہ باطنی تجربہ ہوگا' اتنا ہی تخلیقی طور پر انشائیہ مرصع ہوگا۔ تحریر کی شگفتگی اور تلازمہ خیال انشائیے کے اندر حسن اور نکھار پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بغیر انشائیہ اپنا تشخص منوا نہیں سکتا۔ (۲۲)

اس اقتباس کو روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ انشائیہ کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس کا آغاز اور انجام غیر رسمی ہوتا ہے۔ یعنی انشائیہ میں نہ کوئی تمہید ہوتی ہے اور نہ کوئی نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ یعنی جو کہا جا سکتا ہے کہ اس کو کہیں سے بھی شروع کر کے کہیں بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا انداز ہمیں وزیر آغا کے سارے انشائیوں میں نظر آتا ہے۔ ان کے تقریباً سارے انشائیے اچانک شروع ہو کر اچانک ختم ہو جاتے ہیں۔ آغاز میں مصنف نہ تو کوئی تمہید باندھتا ہے اور نہ ہی درمیان میں اپنے نقطہ نظر کے حق میں دلائل دیتا ہے۔ اور نہ آخر میں کوئی نتیجہ پیش کرتا ہے۔ پڑھنے والوں کی توجہ کسی چیز کے نئے پہلو کی طرف مبذول کرا کے اسے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ اس حوالے سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انشائیہ کا ایک وصف انشائیہ کا کسی ایک موضوع کا پابند نہ رہنا ہے۔ بلکہ کائنات کے کسی بھی نقطے کو مرکز مان کر اپنی فکر کا دائرہ وسیع کیا جا سکتا ہے۔ محمد سہیل عمر نے بھی انشائیے کی تعریف کچھ اسی انداز سے کی ہے:

> میرے خیال میں انشائیہ مضمون کی ہیئت میں اسلوب کا ایک نیا تجربہ ہے۔ انشائیے میں انشائیہ نگار موضوع کے حوالے سے اپنے تجربات' احساسات' خیالات اور جذبات کو اس طرح سموتا ہے کہ وہ اس کے داخل کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ خارج کے نمائندہ بھی بن جاتے ہیں۔ (۲۳)

انور سدید اپنی کتاب انشائیہ اردو ادب میں انشائیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> فنی اعتبار سے انشائیہ موضوعی اور داخلی صنفِ اظہار ہے۔ انشائیہ اشیا اور مظاہر کی خارجی سطح کو مس کرنے کی بجائے ان کے بطون کو کھنگالتا اور جذبے کو برانگیختہ کرنے کے بجائے اس کی تہذیب کرتا ہے اور یوں ہمارے سامنے مظاہر کی نئی صورتیں اور تاثر کی نئی نئی کیفیتیں اجاگر کر دیتا ہے۔ (۲۴)

اس تعریف مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انشائیہ کی جن چیزوں پر زور دیا ہے ان میں سب سے اہم انشائیہ نگار کی شخصیت کا اظہار ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خارجیت کی بجائے داخلیت ہونی چاہیے۔ یہ اشیاء کی بجائے ان کے

مخفی مفاہیم تک پہنچنا چاہتا ہے اور یہ جذبوں کی تہذیب کرتا ہے۔یعنی انھیں منفی طور سے بھڑکاتا نہیں بلکہ انھیں متوازن سطح پر لاتا ہے۔ارسطو کے نزدیک جو جذبات کی متوازن سطح ہے۔اس طرح یہ جذبات کے لیے خطرناک نہیں بلکہ جذبے کی تربیت کرتا ہے اور باہر موجود چیزوں کے بارے میں نئے خیالات دیتا ہے اور حیران کرتا ہے۔اسی کو دوسرے نقاد ''مرکز'' سے علیحدگی یا ایک اور مدار کی تلاش وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا کی انشائیے کے بارے میں رائے کا ملخص ان الفاظ میں پیش کیا جاسکتا ہے:

- انشائیہ بنیادی طور پر ہنسنے ہنسانے یا انشائیہ نگار کے شخصی سطح کے کوائف کو بے نقاب کرنے یا کسی اصلاحی تحریک کا تابع مہمل بننے کا نام نہیں۔انشائیہ تو شے یا مظہر کے اندر غواصی کر کے مخفی مفہوم تک پہنچنے کا ایک عمل ہے۔
- انشائیہ نگار شے یا مظہر کے رائج مفہوم اور معانی سے مطمئن نہیں ہوتا اور دیکھنا چاہتا ہے کہ اس میں ظاہری معانی کے علاوہ اور کتنے معانی چھپے ہوئے ہیں یا مزید کتنے معانی اس سے طلوع ہو سکتے ہیں۔ معانی آفرینی کا یہ عمل وصف خاص ہے۔
- دراصل انشائیہ کے خالق کے پیش نظر کوئی ایسا مقصد نہیں ہوتا جس کی تکمیل کے لئے وہ دلائل و براہین سے کام لے اور ناظر کے ذہن میں ردوقبول کے میلانات کو تحریک دینے کی سعی کرے۔اس کا کام محض یہ ہے کہ چند لمحوں کے لئے زندگی کی سنجیدگی اور گہما گہمی سے قطع نظر کر کے ایک غیر رسمی طریقہ کار اختیار کرے اور اپنے شخصی ردعمل سے ناظر کو اپنے حلقہ احباب میں شامل کر لے۔
- انشائیہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں موضوع کی مرکزیت تو قائم رہتی ہے۔لیکن اس مرکزیت ہی کا سہارا لے کر ایسی باتیں بھی کہہ دی جاتی ہیں جن کا بظاہر موضوع سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہوتا۔

انشائیے کے حوالے سے کی گئی تمام تعریفوں کی رو سے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انشائیہ کی لگے بندھے لفظوں میں تعریف نہیں ہوسکتی مگر انشائیوں کا مطالعہ کرنے سے اس کے خدوخال واضح ہو جاتے ہیں۔جب کوئی تخلیق کار بات سے بات نکالنے کے ہنر پر گرفت رکھتے ہوئے انکشاف ذات کے مرحلے سے گزرتا ہے تو اس کی تخلیق میں انشائی عناصر بین السطور جمع ہوتے جاتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں ہیئتی طور پر ایک ہونے کے باوجود مضمون، مزاح پارہ اور فکاہیہ الگ سے پہچانے جاسکتے ہیں۔اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اتنا کہا جاسکتا ہے کہ قدیم اردو ادیبوں میں ملا وجہی سے سرسید تک کی تحریریں انشائی عناصر کی حامل ہونے کے باوجود جدید انشائیے سے بہت حد تک مختلف تھیں۔نئے آنے والے انشائیہ نگاروں نے زیادہ تر ڈاکٹر وزیر آغا کی مرتب کردہ انشائیے کی شعریات کو ملحوظ رکھا۔اس لئے جدید انشائیہ انہی کے اختراع کردہ راستے پر گامزن ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''اُردو کا بہترین انشائی ادب'' مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص: ۱۳-۱۲

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''تنقیدی اصطلاحات۔ توضیحی لغت''، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۵۱

۳۔ مشکور حُسین یاد، ''ممکنات انشائیہ''، پولیمر پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۲۴

۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''حرفِ آغاز'' مشمولہ ''انشائیہ کے خدوخال''، مکتبہ فکر وخیال، ۱۹۹۰ء، ص: ۷

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''انشائیہ کی بنیاد''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۴۷

۶۔ ایضاً، ص: ۱۴۸

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''انشائیہ کے خدوخال''، مکتبہ فکر وخیال، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۷

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''اُردو انشائیہ''، مشمولہ پاکستانی ادب، سرسیّد کالج راولپنڈی، ۱۹۸۵ء، ص: ۳۲۷

۹۔ جمیل آذر، پروفیسر، ''انشائیہ اور انفرادی سوچ''، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۱

۱۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''انشائیہ کے خدوخال''، ایضاً، ص: ۲۲

۱۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ''اصنافِ ادب''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۶

۱۲۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''اُردو میں انشائیہ نگاری''، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۶

۱۳۔ وزیر آغا ڈاکٹر، ذاتی انٹرویو، لاہور، جنوری ۲۰۱۰ء

۱۴۔ مشکور حُسین یاد، ذاتی انٹرویو، لاہور، فروری ۲۰۱۰ء

۱۵۔ جمیل آذر، پروفیسر، ذاتی انٹرویو، راولپنڈی، دسمبر ۲۰۰۹ء

۱۶۔ اکبر حمیدی، پروفیسر، ذاتی انٹرویو، اسلام آباد، مارچ ۲۰۱۰ء

۱۷۔ شمیم حیدر ترمذی، ڈاکٹر، ذاتی انٹرویو، ملتان، مئی ۲۰۱۱ء

۱۸۔ سلیم آغا قزلباش، ذاتی انٹرویو، لاہور، فروری ۲۰۱۰ء

۱۹۔ جاوید صدیقی، ''بے ترتیبی'' مشمولہ مخزن، لاہور، مئی ۱۹۵۰ء، (دورِ آخر) ص: ۲۸

۲۰۔ جمیل آذر، شاخِ زیتون، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا، ۱۹۸۱ء، ص: ۴۰

۲۱۔ وزیر آغا، ''لاہور''، ''پگڈنڈی سے روڈ رولر تک''، مکتبہ نردبان سرگودھا، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۳۳

۲۲۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، مشمولہ انشائیہ کی بنیاد از سلیم اختر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص: ۳۸۱

۲۳۔ محمد سہیل عمر، ایضاً، ص: ۳۸۲

۲۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، ابتدائیہ، ''اُردو کے بہترین انشائیے''، از جمیل آذر، مکتبہ اُردو زبان، ۱۹۷۶ء

کتابیات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''انشائیہ اردو ادب میں''، مکتبہ فکر وخیال لاہور، اول ۱۹۸۴ء

۲۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''اردو میں انشائیہ نگاری''، نذیر سنز پبلشرز لاہور، ۱۹۸۹ء
۳۔ جمیل آذر، ''اردو کے بہترین انشائیے''، (مرتب) مکتبہ اردو زبان سرگودھا، اول ۱۹۷۶ء
۴۔ جمیل آذر، ''شاخِ زیتون''، مکتبہ اردو زبان سرگودھا، اول ۱۹۸۱ء
۵۔ جمیل آذر، ''انشائیہ اور انفرادی سوچ''، نقش گر پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۰۴ء
۶۔ رفیع الدین ہاشمی، ''اصنافِ ادب''، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۶ء
۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''انشائیہ کی بنیاد''، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء
۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''تنقیدی اصطلاحات۔ توضیحی لغت''، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء
۹۔ مشکور حسین یاد، ''ممکنات انشائیہ''، پولیمر پبلیکیشنز، لاہور، اول، ۱۹۸۳ء
۱۰۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''اردو کا بہترین انشائی ادب''، میری لائبریری، لاہور اول ۱۹۶۴ء
۱۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''پگڈنڈی سے روڈ رولر تک''، مکتبہ نردبان، سرگودھا، ۱۹۹۵ء
۱۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''انشائیہ کے خدوخال''، مکتبہ فکر و خیال، لاہور، ۱۹۹۰ء